بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

جُرعات

اس امر میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالےٰ ہمیشہ کی طرح اب بھی اپنے دین اور علوم دین کی حفاظت کے سامان پیدا کرے گا جیسا کہ اس نے اپنا ایک قانون کتاب حکیم میں بیان فرمایا ہے۔ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ (سورہ محمد) اور جس کی مثالیں اسلام کی زریں تاریخ میں موجود ہیں۔ لیکن ہمارے ہاں کا دن بہ دن روبہ ترقی علمی انحطاط جو تشویش ناک صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ اس طرف علماء کرام کثر اللہ سوادھم کو اجتماعی توجہ اور اس سلسلہ میں کوشش کی فوری ضرورت ہے۔ اسباب مرض کی تشخیص، اس کا علاج پھر اس کو بروئے کار لانا علماء کا جماعتی فریضہ ہے۔ ان کو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ علوم اسلامیہ — قرآن حدیث، فقہ و تاریخ اسلامی، ادب و معانی وغیرہ — کے تحفظ و بقا کی ذمہ داری ان ہی پر عائد ہوتی ہے کیونکہ علم دین، انبیاء علیہم السلام کا ورثہ ہے، اور یہ مال میراث حق تعالےٰ نے صرف ان کو موہبت فرمایا ہے، دوسرے خواہ کچھ کہیں قوم کی کشتی کے ناخدا وہی ہیں۔ وذلك فضل الله يوتيه من يشاء

یہ امر موجب اطمینان ہے کہ فرداً فرداً اس کا احساس ہر مکتب فکر کے حساس اور درمند علماء حضرات کو ہے۔ وہ ایک مدت سے اس کے اسباب کی ٹوہ میں لگے ہوئے ہیں، لیکن نزاکت حالات کا تقاضا ہے کہ بین الجماعتی طور پر غور کر کے کسی فیصلہ کن نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کی جائے مگر وہ فیصلہ نظری نہ ہو عملی ہو۔ اور لچک رکھنے کے باوجود کلیت کا حامل اور اصولاً ٹھوس ہو۔

بہت سے مفکرین کا خیال ہے کہ موجودہ قابلیتی بحران کا سب سے بڑا سبب مدارس عربیہ کا مروجہ نصاب تعلیم ہے حالانکہ ماضی قریب کے جید اہل علم جن پر برصغیر پاک و ہند کو بجا طور پر فخر ہے — دلی اللہی خاندان اور ان کے متوسلین مولانا سید محمد نذیر حسینؒ۔ مولانا نواب سید محمد صدیق حسنؒ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا محمود الحسنؒ، مولانا محمد شمس الحقؒ۔ مولانا عبدالجبار غزنویؒ۔ مولانا محمد حسین بٹالویؒ

مولانا سید محمد انور شاہؒ، مولانا مفتی کفایت اللہؒ، مولانا حافظ محمد صاحب لکھوی، مولانا سید سلیمانؒ صاحب ندوی مولانا ثناء اللہ مرحوم وغیرہم ــــــ سب بزرگ اسی نصاب کے فیض یافتہ تھے!

ان حضرات کی خدمات علمی اور اسلامی سے کون انکار کر سکتا ہے۔ اور کیا یہ واقعہ نہیں کہ اپنے اپنے درجے میں ان ہی کی مساعی، محنت، ایثار اور قربانیوں کا فیض ہے۔ جو علوم دینیہ کی تھوڑی بہت رونق نظر آرہی ہے۔

اس گذارش کے یہ معنی نہیں کہ نصاب تعلیم میں حالات کے مطابق مناسب جزوی تبدیلیوں کی ضرورت نہیں بلکہ کہنا یہ ہے کہ موجودہ صورتِ حال کی کیا واحد وجہ یہی ہے؟ اس پر مزید ہمہ جہتی غور و فکر کی ضرورت ہے کیا اس کے اسباب دوسرے نہیں ہو سکتے؛ جو مادی بھی ہوں اور روحانی بھی، ظاہری بھی ہوں اور باطنی بھی!

ہم سمجھتے ہیں وہ ایسے نہیں کہ مزعومہ مصالح سے خالی الذہن ہو کر سوچا جائے تو وہ معلوم نہ ہو سکتے ہوں!

آج کی صحبت میں ہمیں ارباب فکر و نظر کی خدمت میں ایک ایسے اہم سبب کا ذکر کرنا ہے جس کی طرف موجودہ تحریکِ احیاء و تجدیدِ توحید و سنت کے بانی حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید قدس اللہ روحہ نے اشارہ کیا ہے۔ مولانا ممدوح اپنے شیخ طریقت حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات صراط مستقیم میں لکھتے ہیں۔

باید دانست کہ در جوہر اولاد کرام استعدادے مکنون بطریق میراث از آبائے کرام ایشاں ودیعت مے نہند لیکن آں محض استعداد د ہیچ یکے از امور معاشیہ و معادیہ کار آمدنی نیست آرے اگر ہماں استعداد بر روئے کار آید بہ سبب تعلیم و تعلم و تشرع و تدین جلوہ گر شود البتہ مظہر امور عظیمہ و مصدر منافع جلیلہ خواہد شد و ایں استعدادات مکنونہ را بہ مثابہ استعدادات ازلیہ کہ نعیبہ ہر شخص در ازل الآزال استعدادے از استعدادات صالحہ یا فاسدہ گردیدہ باید فہمید اما بنائے مجازاۃ بر محض آں استعدادات نیست الخ (ص ۶۶)

"واضح رہے کہ شرفا کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے فطانت، ذہانت اور شرافت کا ایک جوہر ودیعت کر رکھا ہے جو آباؤ اجداد سے ان میں وراثۃً منتقل ہو کر آتا ہے۔ مگر صرف

یہ فطری استعداد ہرگز ہرگز کارآمد نہیں جب تک کہ ان قابل جوہروں کی علوم اسلامی کی تعلیم و تعلم اور تشرع و تدین کے ذریعے تربیت نہ کی جائے۔ بلاشبہ اس ذہین و فطین طبقے کی علمی و دینی تربیت سے بڑے مفید نتائج ظاہر ہو سکتے ہیں۔" (خلاصہ)

اس ارشاد کی روشنی میں عربی کی پچھلی پون صدی کی تعلیمی رفتار اور معیارِ قابلیت کی بتدریج پستی کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مومنانہ فراست کا مذکورہ بالا تجزیہ کس قدر درست ہے۔

انگریزوں کے آنے کے بعد مسلمانوں کے ذہین طبقے نے عربی کی بجائے انگریزی کا رخ کر لیا اور اسلامی نظامِ تعلیم کی بجائے ان کا میلان ایسے تعلیمی نظام کی طرف ہو گیا جس کا مقصد اور کچھ بھی ہو "علم" ہرگز نہیں تھا، مذہب اور اخلاقی اقدار اس کے دائرۂ کار ہی سے خارج تھے تاہم "گرمائے" کی اکثریت اور اکثر علمی خاندانوں نے اپنے نونہالوں کو جنہیں ورثہ میں "اعلیٰ استعداد کا جوہر" ودیعت ہوا تھا۔ دہلی (مرحوم)، دیوبند، لکھنؤ، امرتسر (مرحوم) حجاز، مصر کے عربی دارالعلوموں اور تفسیر و حدیث کے مدارس کی بجائے علی گڈھ، لندن، کیمبرج اور امریکہ بھیجنا شروع کر دیا۔ انتہا یہ کہ یہ وبا بعض ان علمائے عربیت کے گھروں میں بھی گھس آئی جنہوں نے عربی ہی کی بدولت قوم میں عزت پائی، شہرت و حیثیت کے مالک ہوئے، انہوں نے بھی اپنی اولاد کو کالج ہی کی طرف دھکیل دیا تاکہ وہ "استعدادی جوہر" سے کام لے کر بہترین "دفتری" بن سکیں۔ اور اس طرح اپنے عمل سے عوام کو بھی عربی پر انگریزی کی ترجیح کا تاثر دیا، اس پر مستزاد یہ کہ کالج کی "تعلیم" میں تمتعات مادیہ کا حصول اور خوش حال زندگی بسر کرنے کا مستقبل نظر آ رہا تھا! اب یہ سیلاب ہے کہ تھمتا نظر ہی نہیں آتا!

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا کہ علماء تک اس رو میں بہہ گئے؛ اکثر ذہین و طباع حضرات اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ عربی کے مروجہ نظامِ تعلیم میں جاذبیت اور کشش نہیں اس میں معاشی مسئلے کا حل نہیں، پھر اس مفروضے پر کبھی مشرقی علوم کے کالجی امتحانات تجویز کئے گئے اور کبھی یہ سوچا گیا کہ کیوں نہ عربی تعلیم کے تنے میں انگریزی اور کالجی طریقۂ "تعلیم" کے ٹاٹ کا پیوند لگا دیا جائے، تاکہ عربی مدارس میں جاذبیت پیدا ہو سکے۔ مگر ہمیں اپنے قصورِ فہم کا اعتراف کرتے ہوئے اس میں تامل ہے ہمارے نزدیک یہ دو زبانوں کا مسئلہ نہیں کہ تطبیق کے کسی بقراطی نسخے سے مرض کا علاج ہو سکے بلکہ مسئلہ دو مختلف المزاج و اللوازم تعلیمی نظاموں کا ہے۔ جن کے درمیان اتنا بعد مسافت ہے کہ اسے پاٹنا

آسان نہیں۔ اگر ایک کا مقصد اصلی، حکومت کی گاڑی چلانا، دفتری کاموں میں مہارت اور مادیات سے تعلق پیدا کرنا اور پیٹ کو مقصود زیست بنانا ہے تو دوسرے کا نصب العین حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے اسباب کا حصول، اعلیٰ اخلاقی اقدار کی نشوونما، قناعت کی زندگی اور اعتماد علی اللہ کی نعمت سے سرفرازی ہے۔ ایک "تعلیم" سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تعلیمات مقدسہ سے دوری پیدا ہوتی ہے تو دوسری سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دلوں میں جاگزیں ہوتی ہے۔ اتباع سنت کا جذبہ ابھرتا ہے۔ ایک سے اپنے قابل فخر اسلاف سے رشتہ جڑتا ہے دوسری سے حال و مستقبل کا فکر ذہن پر ایسا مستولی ہوتا ہے کہ اپنے تابناک ماضی سے نفرت ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک مسلمان کے نقطۂ نظر سے اسلامی تعلیم کے یہ مقاصد بہت بلند ہیں کما قال اللہ تعالیٰ یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (المجادلہ) اس کے مقابلے میں "جدیدیت" کا طریقہ پست اور سفلی ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ (النجم)

ہمارے نزدیک جاذبیت ایسی پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے جو دینی علوم کے مزاج سے مناسبت رکھتی ہو۔ دو کشتیوں میں پاؤں رکھ کر ساحل مراد سے ہم کنار ہونے کی توقع خام خیالی سے زیادہ اس کی حیثیت نہیں۔ علاوہ ازیں عربی تعلیم و تعلم کی عمر تیرہ سو سال سے زیادہ ہے، کیا اس کا دامن جذب و انجذاب کے نسخوں سے خالی ہے کہ ہم مصنوعی طریقے تلاش کرتے پھریں اور تجربوں میں حیران و پریشان ہو کر وقت و مال کا ضیاع کریں!

خیر وجوہ جو کچھ بھی ہوں، انگریز کے درآمد کردہ تعلیمی نظام کی طرف لپکنے کا نتیجہ نکلا یہی کہ اس میں "تشرع و تدین" کے فقدان کے باعث ہماری قوم کے جواہر پاروں میں جو "استعدادات مکنونہ" موجود تھیں وہ دینی شکل میں "جلوہ گر" نہ ہو سکیں، اور قوم بقول شاہ صاحبؒ "منافع جلیلہ" سے محروم ہو گئی! اب لائق خطیبوں کا قحط ہے، قابل مدرسین کا کال ہے۔ اچھے مصنف ملتے نہیں، اور محققین علوم قرآن و حدیث تو عنقا ہوتے جا رہے ہیں۔ بس چند چراغ ہیں جو ٹمٹما رہے ہیں ——!

ہم سمجھتے ہیں اس صورت حال کے پیدا ہونے میں حضرت شاہ صاحبؒ کے بیان فرمودہ سبب کو بڑا دخل ہے۔ اس کو موضوع بنا کر غور و فکر فرمایا جائے اور ایسے ذرائع کو بروئے کار لایا جائے کہ ملک کے

ذہین افراد اور علمی خاندان، دین کا علم عربی کے ذریعے بحیثیت دینی علم کے حاصل کرنا شروع کر دیں پھر دیکھئے گا یہ طریق کیسا مثمر برکات ہوتا ہے جیسا کہ ہمارا شاندار ماضی اس پر شاہد عدل ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

علامہ محمد بن اسماعیل امیر یمانی صاحب سبل السلام شرح بلوغ المرام (م ۱۱۸۲ھ) کے ایک جلیل القدر شاگرد نے ساٹھ برس کی عمر میں قضا کا عہدہ قبول کر لیا۔ اس پر علامہ ممدوح نے ان کو طویل قصیدے کی صورت میں ایک خط لکھا جس کے چند شعر حسب ذیل ہیں۔

ذبحت نفسك بسكين لا بسكين — كما روينا ه عن طه ويسين

ذبحت نفسك والستون قد وفدت — عليك في العمر ماذا بعد ستين

ذبحت نفسك يا لهفي عليك لقد — كنا نعدك للتقوى والدين

وان تقل اكرهونا كان ذا كذبا — فنحن نعرف احوال السلاطين

وان تقل حاجة مست و مسكنة — فاين صبرك من حين الى حين

والله وصى به في الذكر في سور — كم في الحواميم منه والطواسين

قد شد خير الورى في بطنه حجرا — ولو اراد اتاه كل مخزون

مَا مَاتَ وَاللهِ جُوعاً عَالِمٌ اَبَداً — سَلِ التَّوَارِيخَ عَنْهُ وَالدَّوَاوِينَ

سَلِ الْهُدَىٰ وَالْغِنَىٰ مِمَّنْ خَزَائِنُهُ — سُبْحَانَهُ بَيْنَ حَرْفِ الْكَافِ وَالنُّونِ

(ظفر الاماني فيما يجب في القضاء على القاضي)

"تم نے قاضی بن کر چھری کے بغیر اپنے آپ کو ذبح کر لیا۔ (حدیث نبوی کی طرف تلمیح ہے) ساٹھ برس کی عمر میں یہ تم نے کیا کیا ہے ہم تو تمہیں دین و تقویٰ سے متصف سمجھتے تھے اگر تم فقر و فاقہ سے مجبور ہو گئے تھے تو صبر سے کام لینا چاہئے تھا جس کا حکم قرآن کی متعدد آیات میں ہے، کیا تمہیں نہیں معلوم کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ لئے تھے حالانکہ آپ چاہتے تو خزانوں کے ڈھیر لگ جاتے۔ پھر اچھا یہ تو بتاؤ تمہارے سامنے یہ تاریخیں پڑی ہیں کیا کبھی ایسا حادثہ وقوع میں آیا کہ کوئی عالم دین بھوک سے مر گیا ہو؟ ہدایت اور غنا اسی سے طلب کرو جس کے کلمۂ کن کے تحت خزانے ہیں۔"